ابنِ انشا کی انشا پردازی

ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور

ESSAY WRITING OF IBNE INSHA

AN ANALYTICAL STUDY

Waheed ur Rehman Khan, PhD
Assisstant Professor of Urdu
University of Education, Lower Mall, Lahore

Abstract

Ibne Insha is a humorist of Urdu language of his own style. He has contributed to Urdu literature many of his writing of which is his famous book "Urdu ki Aakhiri Kitaab" The Last Book of Urdu. This article presents an analytical and critical appreciation of the book. The article sheds lights on socio-political aspects of his humor writing besides a glimpse into his historical vision. Some of his techniques he employed in his humor have also been pointed out through specimens from his said book.

Keywords: علامہ اقبال، اردو کی آخری کتاب، ابن انشا، شکوہ، انگلستان، فرانسیسی، سندھی، پنجابی، پاکستان، خاندان غوری

''اردو کی آخری کتاب'' ابنِ انشا کی دوسری کتاب ہے۔ یہ کتاب محمد حسین آزاد کے معروف سلسلۂ کتب(۱) کی تحریف ہے۔ ایک ایسی تحریف جس کا آغاز صفحۂ اول سے نہیں بلکہ سرورق ہی سے ہو جاتا ہے جہاں ایک کونے پر یہ شوخ جملہ بھی درج ہے: نامنظور کردہ ٹیکسٹ بک بورڈ۔ اس ''نامنظوری'' کی داستان بھی خاصی دل چسپ ہے۔ ابنِ انشا کی ظرافت محض لفظی اور فکری سطح تک محدود نہ رہی، انھوں نے ظرافت کے باب میں عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اس تصنیفِ لطیف کو 'مغربی پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ' کے مہتمم کو ملاحظے کے لیے ارسال کر دیا۔ وہ صاحب بھی زندہ دل اور باعمل شخص تھے، انھوں نے ابنِ انشا کی درخواست کے جواب میں ایک مختصر شگفتہ مکتوب تحریر کیا اور کتاب کو نامنظور کرتے ہوئے 'مسرت'' کا اظہار کیا۔ یہ پاسخِ مکتوب بھی 'لطیفۂ عملی'' کی ایک خوش کن مثال کے طور پر کتاب کی زینت ہے۔ کتاب میں مجی کے بنائے ہوئے شرارت انگیز کارٹون بھی شامل ہیں اور کتاب کی رونق اور شوخی میں اضافے کا باعث ہیں۔ سنتے ہیں کہ شبنم کے قطرے پھولوں کو نکھارا کرتے ہیں۔

آغاز میں ایک 'دعا' ہے جسے 'شوخیِ دعا' سے تعبیر کرنا چاہیے۔ ابنِ انشا 'دستِ دعا' بلند کرتے ہوئے بھی اپنی طبعی شوخی سے دست بردار نہیں ہوئے۔ اقبال کے 'شکوہ' میں 'حسنِ ادا' ہے تو یہاں 'حسنِ دعا' کا انداز ہے۔

''اردو کی آخری کتاب'' میں ایک اہم سبق ''ہمارا ملک'' کے نام سے ہے جو خاصا سبق آموز ہے۔ یہ مختصر مکالمے پر مبنی تحریر ہے جو ایک مقامی اور غیر ملکی کے مابین 'سوال و جواب' کی صورت میں ہے۔ ابنِ انشا نے سقراطی طریقۂ کار کو ظریفانہ انداز میں بروئے کار لاتے ہوئے ایک ایسی طنزیہ صورتِ حال پیدا کی ہے جس میں معذرت خواہی بھی ہے اور خود احتسابی بھی!

''ایران میں کون رہتا ہے؟''

''ایران میں ایرانی قوم رہتی ہے۔''

''انگلستان میں کون رہتا ہے؟''

''انگلستان میں انگریز قوم رہتی ہے۔''

''فرانس میں کون رہتا ہے؟''

''فرانس میں فرانسیسی قوم رہتی ہے۔''

''یہ کون سا ملک ہے؟''

''یہ پاکستان ہے۔''

''اس میں پاکستانی قوم رہتی ہوگی؟''

''نہیں، اس میں پاکستانی قوم نہیں رہتی۔''

''اس میں سندھی قوم رہتی ہے۔''

''اس میں پنجابی قوم رہتی ہے۔''

''اس میں بنگالی قوم رہتی ہے۔''

اس میں یہ قوم رہتی ہے۔

اس میں وہ قوم رہتی ہے۔''

''لیکن'' پنجابی تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں!

سندھی تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں!

بنگالی تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں!

پھر یہ الگ ملک کیوں بنایا تھا؟''

''غلطی ہوئی۔ معاف کر دیجیے۔ آئندہ نہیں بنائیں گے۔''(۲)

ابنِ انشا کی یہ تصنیف ایک 'قومی دستاویز' ہے۔ اس میں وطنِ عزیز کی سیاسی و معاشرتی صورتِ حال کا ظریفانہ اور حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا گیا ہے اور ملک کی تاریخ، سماج اور جغرافیے کو نگاہِ شوخ سے دیکھا گیا ہے۔ ابنِ انشا نے معصوم اور مضحک پیرائے میں نہایت نازک اور حساس قومی معاملات پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ انھوں نے نہایت سہولت اور آسانی کے ساتھ پیچیدہ قومی مسائل

اور معاملات کی نشاندہی کی ہے۔ انھیں یہ سہولتِ اظہار ان کی شگفتہ خاطری اور شوخیِ فطرت نے عطا کی تھی۔ ابنِ انشا نے جغرافیے کے باب میں زیادہ دل چسپی اور 'وسعتِ قلمی' کا اظہار نہیں کیا مگر اختصار نے ان کی تحریر کی روحِ ذکاوت میں اضافہ ہی کیا ہے۔ وطنِ عزیز کے جغرافیے کا جب ذکر کرتے ہیں تو ایک تیر سینے میں مارتے ہیں:

''حدودِ اربعہ: پاکستان کے مشرق میں سیٹو ہے۔ مغرب میں سنٹو۔ شمال میں تاشقند اور جنوب میں پانی۔ یعنی جائے مفر کسی طرف نہیں۔

پاکستان کے دو حصے ہیں: مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان۔ یہ ایک دوسرے سے بڑے فاصلے پر ہیں۔ کتنے بڑے فاصلے پر، اس کا اندازہ اب ہو رہا ہے۔

دونوں کا اپنا اپنا حدود اربعہ بھی ہے۔

مغربی پاکستان کے شمال میں پنجاب، جنوب میں سندھ، مشرق میں ہندوستان، مغرب میں سرحد اور بلوچستان ہیں۔ یہاں پاکستان خود کہاں واقع ہے اور واقع ہے بھی کہ نہیں اس پر آج کل ریسرچ ہو رہی ہے۔

مشرقی پاکستان کے چاروں طرف آج کل مشرقی پاکستان ہی ہے۔''(۳)

شاعر نے کہا تھا: کہتے ہیں تاریخ ہمیشہ اپنے کو دہراتی ہے۔ اس خطے کی تاریخ کچھ زیادہ شاندار اور خوش گوار نہیں رہی۔ ابنِ انشا نے اس خوف سے کہ کہیں تاریخ کی بازخوانی کا عمل ازخود نہ شروع ہو جائے، انھوں نے خود ہی تاریخ کو بارِ دگر صفحات پر تحریر کر دیا ہے، تاہم یہ ضروری سمجھا کہ بہت سی تاریخی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا جائے اور تاریخ کے گم شدہ اوراق کو تلاش کیا جائے۔ ابنِ انشا نے ایک نئی تاریخ مرتب کی ہے جس میں سلطانی محض عیاری ہے اور سلاطین صرف توسیعِ سلطنت کے خیال سے آمادۂ جنگ رہتے تھے اور مالِ غنیمت اور کشور کشائی ہی ان کا مطمحِ نظر ہوتا تھا۔ ابنِ انشا نے تاریخی مغالطوں کو طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اسلوب میں اختصاری اور اشاراتی انداز ہے مگر یہ بلاغت اور ظرافت سے عاری نہیں ہے۔ ابنِ انشا نے اساطیری داستانوں کو طرزِ نو میں تحریر کیا ہے اور

'رامائن' اور 'مہابھارت' کے قصہ قدیم کو جدتِ طبع کے ساتھ رقم کیا ہے۔ ہندوستان کی شاہی تاریخ پر انہوں نے 'خطِ تحریف' کھینچا ہے اور مختلف خاندانوں کو دست بدست منتقل ہوتی ہوئی سلطنت کا احوال بھی نقل کیا ہے۔ خاندانِ غوری، خاندانِ غلاماں، خلجی، تغلق اور لودھی خاندان کے پر لطف حالات، لفظی مزاح اور معنوی طنز کے حربوں کو استعمال کرتے ہوئے پیش کیے ہیں۔ مغل سلطنت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے وہ 'شغلِ تحریف' میں کچھ زیادہ ہی مگن دکھائی دیتے ہیں۔ تاریخ کے باب میں ابنِ انشا نے جن بادشاہوں کو نشانہ تضحیک بنایا ہے ان میں سکندرِ اعظم، محمود غزنوی، بابر، ہمایوں، اکبر، جہاں گیر، شاہ جہاں، عالم گیر اور بہادر شاہ ظفر کے نام نامی شامل ہیں۔ ابنِ انشا فرزند اکبر، جہاں گیر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''جن لوگوں نے سہراب مودی کی فلم ''پکار'' دیکھی ہے، ان کے لئے جہانگیر کی ذات اور کارنامے محتاج تعارف نہ ہوں گے۔ اس کی بیوی نورجہاں تھی جو ملکہ ترنم تو نہ تھی، لیکن بعض اور کمالات رکھتی تھی۔ ابھی نوعمر ہی تھی کہ لوگوں کے کبوتر پکڑ کر اڑا دیا کرتی تھی، خصوصاً ولی عہدوں وغیرہ کے۔ بعد میں ایسی زوردار ملکہ ثابت ہوئی کہ بڑے بڑوں کے ہاتھوں کے طوطے اُسے دیکھتے ہی اڑ جایا کرتے تھے۔ جہانگیر کو بڑا ہی زیرک اور سمجھ دار جاننا چاہیے کہ اس نے محض کبوتروں کے اڑانے سے نورجہاں کی لیاقت کا اندازہ کر کے اس سے شادی کر لی تھی۔ اس کے سلیقہ شعار، پابندِ صوم وصلوٰۃ یا کشیدہ کاری کا ماہر وغیرہ ہونے کی شرط نہ رکھی تھی۔(۴)

اصل بات یہ ہے کہ مصنف ماضی کی اوٹ سے حال کو دیکھنے اور دکھانے کی سعی کر رہا ہے۔ ماضی جو تاریک تھا اور حال جو تاریک تر ہوتا جا رہا ہے: حال، تاریخ کے پردے میں بھی عریاں نکلا!

ابنِ انشا نے اکبر کے نورتنوں کے شگفتہ خاکے بھی تحریر کیے ہیں۔ راجا ٹوڈرمل، خانخاناں، ابوالفضل، فیضی، مخدوم الملک اور بیربل پر مختصر خاکے اتنے دل چسپ ہیں کہ ان کے آگے بیربل کی شگفتہ بیانی ماند ہوتی ہے۔

گرامر کے سابق میں ابنِ انشا نے 'فعل' کی معروف اقسام بیان کی ہیں مگر ان اقسام کی جو

تعریف اور تحریف کی گئی ہے وہ خاصی 'غیر معروف' ہے۔ ابنِ انشا نے فعل کی کچھ نئی قسمیں بھی درج کی ہیں جنھیں اردو گرامر میں 'اضافہ' کہنا چاہیے، مثلاً:

''فعل کی بنیادی قسمیں دو ہیں۔ جائز فعل، نا جائز فعل، ہم صرف جائز قسم کے افعال سے بحث کریں گے کیوں کہ قسم دوم پر پنڈت کوکا آنجہانی اور جناب جوش ملیح آبادی مبسوط کتابیں لکھ چکے ہیں۔

فعل کی دو قسمیں فعل لازم اور فعل متعدی بھی ہیں۔ فعل لازم وہ ہے جو کرنا لازم ہو۔ مثلاً افسر کی خوشامد، حکومت سے ڈرنا، بیوی سے جھوٹ بولنا وغیرہ۔'' (۵)

ایک سبق ریاضی سے متعلق ہے جو ابنِ انشا کی ذہنِ ظرافت میں ریاضت کو ظاہر کرتا ہے۔ انھوں نے حساب کے چار اہم قاعدوں ـــ جمع، تفریق، ضرب، تقسیم ـــ کی اس طور وضاحت کی ہے کہ حساب کا مضمون جو اعداد کا کھیل ہے، 'بازیچۂ الفاظ' دکھائی دیتا ہے۔ حساب کی 'عددی برتری' کو انھوں نے 'لفظی بازی گری' سے مات دی ہے۔ وہ محاوروں کے ہاتھ پاؤں اس انداز میں توڑتے، جوڑتے ہیں کہ محاورے خود بھی مسکرا اٹھتے ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

''یہ حساب کا بڑا ضروری قاعدہ ہے۔ سب سے زیادہ جھگڑے اسی پر ہوتے ہیں۔

تقسیم کا مطلب ہے بانٹنا

اندھوں کا آپس میں ریوڑیاں بانٹنا

بندر کا بلیوں میں روٹی بانٹنا

چوروں کا آپس میں مال بانٹنا

اہلکاروں کا آپس میں رشوت بانٹنا

مل بانٹ کر کھانا اچھا ہوتا ہے

دال تک جوتوں میں بانٹ کر کھانی چاہیے

ورنہ قبض کرتی ہے۔'' (۶)

ابنِ انشا کی ظرافت محض 'خندہ دنداں نما' کا باعث نہیں بلکہ یہ اس 'دردِ لا دوا' کا سبب بھی ہے

جس کا تعلق قوم اور ملت سے ہے۔ ان کے ہاں حسِ ظرافت اور ملی طرزِ احساس یک جا ہو گئے ہیں۔ ثبوت کے طور پر تفریق کا قاعدہ دیکھیے:

''میں سندھی ہوں، تو سندھی نہیں ہے
میں بنگالی ہوں، تو بنگالی نہیں ہے
میں مسلمان ہوں، تو مسلمان نہیں ہے
اس کو تفریق پیدا کرنا کہتے ہیں
حساب کا یہ قاعدہ بھی قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے
تفریق کا ایک مطلب ہے، منہا کرنا
یعنی نکالنا ایک عدد میں سے دوسرے عدد کو
بعض عدد از خود نکل جاتے ہیں
بعضوں کو زبردستی نکالنا پڑتا ہے
ڈنڈے مار کر نکالنا پڑتا ہے
فتوے دے کر نکالنا پڑتا ہے۔''(۷)

ایک سبق ''ابتدائی سائنس'' کے عنوان سے ہے جس میں سائنس کو غیر سائنسی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ٹھوس، مائع، گیس، حرارت، کشش، پانی اور روشنی جیسے سائنسی موضوعات کو انھوں نے اپنی روشنیٔ طبع اور شگفتگی سے ''آرٹس'' بنادیا ہے۔ دیگر اسباق کی طرح یہاں بھی آخر میں طلبہ سے ایسے سوالات کیے گئے ہیں جو 'استاد' کی 'گریز پائی' ظاہر کرتے ہیں۔

''دوسری دفعہ کا ذکر ہے'' ایسی کہانیوں پر مشتمل باب ہے جنھیں پہلی بار رہل دانش نے پیش کیا تھا اور اب ابنِ انشا نے اپنی 'دانشِ زعفرانی' کو بروئے کار لاتے ہوئے بیان کیا ہے۔ انھوں نے کہانیوں کے کردار تو وہی رکھے ہیں مگر آغاز وانجام تبدیل کر دیے ہیں نیز ان کہانیوں سے اخلاقی نتائج بھی مختلف نوعیت کے برآمد کیے ہیں۔ یہ حکایتیں خاصی لذیذ ہیں مگر انھوں نے قصے کو کوتاہ ہی رکھا ہے۔ 'پیاسا کوا'' میں یہ تشنگی محسوس ہوتی ہے مگر تر وتازگی کے احساس کے ساتھ!

''ایک پیاسے کوّے کو ایک جگہ پانی کا مٹکا پڑا نظر آیا، بہت خوش ہوا لیکن یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ پانی بہت نیچے فقط مٹکے کی تہہ میں تھوڑا سا ہے۔ سوال یہ تھا کہ پانی کو کیسے اوپر لائے۔ اپنی چونچ تر کرے۔

اتفاق سے اس نے حکایاتِ لقمان پڑھ رکھی تھیں۔ پاس ہی بہت سے کنکر پڑے تھے، اس نے اٹھا کر ایک ایک کنکر اس میں ڈالنا شروع کیا۔ کنکر ڈالتے ڈالتے صبح سے شام ہوگئی۔ پیاسا تو تھا ہی نڈھال ہوگیا۔ مٹکے کے اندر نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہے کہ کنکر ہی کنکر ہیں۔ سارا پانی کنکروں نے پی لیا ہے... پھر بے سُدھ ہوکر زمین پر گر گیا اور مر گیا۔

اگر وہ کوّا کہیں سے ایک نلکی لے آتا تو مٹکے کے منہ پر بیٹھا بیٹھا پانی کو چوس لیتا۔ اپنے دل کی مراد پاتا۔ ہرگز جان سے نہ جاتا۔''(۸)

ابنِ انشا نے 'آخری کتاب' میں جانوروں اور پرندوں کو تیغِ قلم سے ذبح کیا ہے اور الٹا ثواب بھی لیا ہے۔ 'ذبح' کرتے ہوئے وہ ان اشعار، ضرب الامثال، محاورات، واقعات اور تلمیحات کو یاد رکھتے ہیں جو ان جانوروں اور پرندوں سے منسوب ہیں۔ وہ ان عناصر کو نئی ترتیب اور تعبیر کے ساتھ رقم کرتے ہیں۔ یہ تعبیرِ نو اور 'ترتیبِ پریشاں' تحریر میں لطافت اور ظرافت کو جنم دیتی ہیں۔ وہ ان عناصر کو اشاراتی انداز میں زیرِ بحث لاتے ہیں۔ یہ اشارے اور کنائے، برقِ تبسم کی طرح تحریر میں چمکتے دمکتے ہیں۔ جن پرندوں کو نشانہ طنز بنایا گیا ہے ان میں طوطا، کبوتر، کوا، پدی، تیتر، بٹیر، بیا، الو اور بگلا شامل ہیں۔ جن جانوروں کو گردن زدنی قرار دیا گیا ہے، ان میں بھینس، گائے، بکری، بھیڑ، گدھا، اونٹ، کتا اور شیر کے نام آتے ہیں۔ ابنِ انشا کی ستم ظریفی نے 'ابنِ آدم' کو زمرۂ جانوراں میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے سبزیوں اور کھانے پینے کی عام چیزوں کو 'سامانِ شکم' نہیں 'سامانِ تبسم' بنایا ہے۔ وہ اشیائے عام کو اس طرح استعمال میں لائے ہیں کہ وہ خاص بن گئی ہیں۔ 'آخری کتاب' کے آخر میں وہ 'مناظرِ قدرت' کو زیرِ بحث لائے ہیں۔ حیوانِ ظریف نے جو فلسفیانہ استفسار کیا تھا: ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟ ابنِ انشا نے ان استفسارات کے ظریفانہ جوابات رقم کیے ہیں۔ آسمان، چاند، ستارے اور پہاڑ پر بھی

مجمل اور پر مزاح تبصرے کیے ہیں۔ ایک بات طے ہے کہ وہ ''گفت گو کسی سے ہو، دھیان تیرا رہتا ہے'' کے انداز اور اصول کے قائل ہیں۔ وہ ہر حال میں قومی مسائل، معاملات اور حالات حاضرہ پر رائے زنی کرتے ہیں۔ ان کی آرا عام طور پر تند اور تلخ ہوتی ہیں لیکن 'لبِ لعلِ شکر خارا' کو زیب دیتی ہیں۔ ڈاکٹر ریاض احمد ریاض کے بقول:

> ''ان کا انداز بالخصوص کہیں استعاراتی ہے تو کہیں تمثیلی اور کسی جگہ محض رمزیہ لیکن ان کا ہر وار اور حربہ حد درجہ کام یاب ہے۔ اس میں ہماری قومی کوتاہیوں کا ذکر بھی ہے اور انفرادی خودغرضیوں کا تذکرہ بھی، وقتی مسرت کے لیے ناجائز ذرائع پر ایمان کی داستان بھی بیان کی گئی ہے اور اس دور کے حکم رانوں کی حماقتوں کے قصے بھی لیکن سب کچھ ایسے نفیس اسلوب اور شگفتہ انداز میں کہ پڑھنے والے کو یہ زہر بھی گوارا لگنے لگتا ہے۔'' (۹)

ابنِ انشا نے تخلیقِ مزاح کے لیے مبالغہ آرائی اور کم بیانی کے حربے استعمال کیے ہیں۔ 'مبالغہ آرائی' کے لیے کیفیت اور کمیت میں زیادتی اور 'کم بیانی' کے لیے ان میں تخفیف کی جاتی ہے۔ 'کثرت' اور 'قلت' کا اظہار ایسے تجاہلِ عارفانہ اور ادائے معصومانہ سے کیا گیا ہے کہ قاری بے اختیار مسکرا اٹھتا ہے۔ اس کے علاوہ ابنِ انشا ''مستزاد'' سے بھی کام لیتے ہیں۔ (۱۰) گو یہ ایک شاعرانہ انداز ہے لیکن نثر میں استعمال ہو تو اس کا رنگ ظریفانہ ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ان حربوں کی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

مبالغہ آرائی

''بادشاہ کو روحانیت سے شغف تھا۔ کئی درویش اسے ہوائی اڈے پر لینے چھوڑنے جاتے، اس کی کامرانی کے لیے چلّے کاٹتے تھے۔ طبیعت میں عفو اور درگزر کا مادہ از حد تھا۔ اگر کوئی شکایت کرتا تھا کہ فلاں شخص نے میری فلاں جائیداد ہتھیالی ہے یا فلاں کارخانے پر قبضہ کرلیا ہے تو مجرم خواہ بادشاہ کا کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو، وہ کمال سیر چشمی سے اسے معاف کر دیتے تھے بل کہ شکایت کرنے والوں پر خفا ہوتے کہ عیب جوئی بُری بات ہے۔۔۔''

۔۔۔عزیزو! انگریزوں نے کچھ اچھے کام بھی کیے لیکن ان کے زمانے میں خرابیاں بہت تھیں۔کوئی حکومت کے خلاف بولتا تھا یا لکھتا تھا تو اس کو جیل بھیج دیتے تھے۔اب نہیں بھیجتے۔رشوت ستانی عام تھی۔آج کل نہیں ہے۔دکاندار چیزیں مہنگی بیچتے تھے اور ملاوٹ بھی کرتے تھے۔آج کل کوئی مہنگی نہیں بیچتا، ملاوٹ بھی نہیں کرتا۔انگریزوں کے زمانے میں امیر اور جاگیردار عیش کرتے تھے، غریبوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا۔اب امیر لوگ عیش نہیں کرتے اور غریبوں کو ہر کوئی اتنا پوچھتا ہے کہ وہ تنگ آجاتے ہیں۔خصوصاً حق رائے دہندگی بالغاں کے بعد سے۔''(۱۱)

کم بیانی

''محمود پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے فردوسی سے شاہنامہ لکھوایا۔یہ کتاب جناب حفیظ جالندھری کے شاہنامۂ اسلام کی طرز پر لکھی گئی ہے۔''(۱۲)

''بادشاہی ایک خاندانی کام ہے۔شیر شاہ نے سوائے سڑکیں اور سرائیں بنانے، کنویں کھدوانے، چور پکڑنے اور ٹوڈرمل سے زمین کی جمع بندیاں کرنے کے کچھ نہ کیا۔''(۱۳)

''اکبر کے باب میں بھی ہم مؤرخین کی ایک غلط بیانی کی تردید کرنا بھول گئے تھے۔اکبرنامہ میں لکھا ہے کہ اکبر نے چتوڑ فتح کیا تو تیس ہزار آدمی تیغ کے گھاٹ اتار دیے۔یہ صحیح نہیں۔اکبر ہرگز ایسا سفاک نہ تھا۔ملا عبدالقادر بدایونی نے مقتولین کی تعداد آٹھ ہزار اور فرشتہ نے دس ہزار لکھی ہے۔اسی کو صحیح جاننا چاہیے۔''(۱۴)

مستزاد

''شاہ جہاہ کے زمانے میں ہر طرف آزادی کا دور دورہ تھا۔لوگ آزاد تھے اور اخبار آزاد تھے کہ جو چاہیں کہیں، جو چاہیں لکھیں۔بہ شرطے کہ وہ بادشاہ کی تعریف میں ہو، خلاف نہ ہو۔''(۱۵)

''بھارت کا مقدس جانور گائے ہے۔بھارتی اسی کا دودھ پیتے ہیں۔اسی کے گوبر سے چوکا لیپتے ہیں اور اسی کو قصائی کے ہاتھ بیچتے ہیں کیوں کہ خود وہ گائے کو مارنا یا کھانا پاپ سمجھتے ہیں۔آدمی کو بھارت میں مقدس جانور نہیں گنا جاتا۔''(۱۶)

''.....ضرب کی ایک اور تقسیم بھی ہے۔ پتھر کی ضرب، لاٹھی کی ضرب، بندوق کی ضرب۔ علامہ اقبال کی ضربِ کلیم ان کے علاوہ ہے۔''(۱۷)

ابنِ انشا کا ایک خاص حربہ 'قولِ محال' ہے۔ ان کی نثر میں ایسے کئی بیانات ملتے ہیں جن میں بظاہر مہمل یا خود تردیدی انداز ہوتا ہے تاہم ان میں ایک امکانی صداقت موجود ہوتی ہے۔ ابنِ انشا کی تحریر میں ایسے 'اقوالِ محال' کثرت سے ہیں جن میں غرابت، حقیقت اور ظرافت کی آمیزش ہوتی ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

''پھر گلیلیو نامی ایک شخص آیا اور اس نے زمین کو سورج کے گرد گھمانا شروع کر دیا۔''(۱۸)

''نہرو جی نفاست پسند بھی تھے۔ دن میں دو بار اپنے کپڑے اور قول بدلا کرتے تھے۔''(۱۹)

''کورو ایک طرف ہیں، پانڈو دوسری طرف ہیں۔ یہ ہونا بھی چاہیے۔ دونوں ایک طرف ہوں تو لڑائی کا کچھ مزا نہ آئے۔''(۲۰)

''.....پرستش کی ایسی رسمیں آج کل بھی رائج ہیں لیکن ان کو دینِ الٰہی نہیں کہتے۔''(۲۱)

''اکبر میں تعصب بالکل نہ تھا، خصوصاً شادیوں کے معاملے میں۔''(۲۲)

''اکبر کے بعد جہاں گیر تخت پر بیٹھا۔ وہ اکبر کا بیٹا تھا۔ اگر اس کا باپ ہوتا تو یقیناً اس سے پہلے تخت پر بیٹھتا۔''(۲۳)

''اس (عالم گیر) نے کبھی کوئی نماز قضا نہ کی اور کسی بھائی کو زندہ نہ چھوڑا۔''(۲۴)

اہم بات یہ ہے کہ یہ اجزائے تبسم باہم یوں پیوست ہیں اور ان کو یوں آمیخت کیا گیا ہے کہ انہیں الگ الگ کرنا آسان کام نہیں۔

ابنِ انشا کی یہ تصنیف جسے 'پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ' نے نصاب میں شامل کرنے سے انکار کر دیا تھا، دراصل ایک ایسی تصنیف ہے جو اردو طنز و ظرافت کے نصاب میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو چکی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے اور حواشی

(۱) ڈاکٹر ریاض احمد ریاض کے مطابق:

مولانا آزاد نے برطانوی دورِ حکومت میں متحدہ صوبہ پنجاب کے پرائمری سکولوں کے لیے ایک سلسلۂ کتب ترتیب دیا تھا۔ اردو کی پہلی کتاب، دوسری کتاب، تیسری کتاب وغیرہ۔ مولانا کا مرتب کردہ نصاب بچوں اور بڑوں میں اتنا مقبول ہوا کہ دوسرے صوبوں اور علاقوں میں بھی کتابوں کے اس سلسلے کو نصاب میں شامل کرلیا گیا۔

ریاض احمد ریاض، ڈاکٹر، ابنِ انشا: احوال و آثار، کراچی: انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۸۹ء ص ۶۵۸، ۶۸۹

(۲) ابنِ انشا، اردو کی آخری کتاب، لاہور: لاہور اکیڈمی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۷، ۱۸

(۳) ایضاً، ص ۳۴ (۴) ایضاً، ص ۶۹ (۵) ایضاً، ص ۸۱

(۶) ایضاً، ص ۸۷، ۸۸ (۷) ایضاً، ص ۸۵، ۸۶ (۸) ایضاً، ص ۱۱۳، ۱۱۴

(۹) ریاض احمد ریاض، ابنِ انشا: احوال و آثار، ص ۶۷۸، ۶۷۹

(۱۰) ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے ان حربوں۔ مبالغہ آرائی، کم بیانی اور استہزا کی جانب اپنی درج ذیل کتاب میں اشارہ کیا ہے:

اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۶۔۹۷، ص ۳۸۵

(۱۱) ابنِ انشا، اردو کی آخری کتاب، ص ۲۰، ۲۱

(۱۲) ایضاً، ص ۴۵، ۴۶ (۱۳) ایضاً، ص ۵۷ (۱۴) ایضاً، ص ۷۰

(۱۵) ایضاً، ص ۱۹ (۱۶) ایضاً، ص ۲۵ (۱۷) ایضاً، ص ۸۷

(۱۸) ایضاً، ص ۲۳ (۱۹) ایضاً، ص ۲۶ (۲۰) ایضاً، ص ۳۹

(۲۱) ایضاً، ص ۶۲ (۲۲) ایضاً، ص (۲۳) ایضاً، ص ۶۹

(۲۴) ایضاً، ص ۴۷

✿✿✿